جناب چوہدری عبدالواحد گوندل صاحب ــــ گوجرانوالہ

البدر تبلیغی وفد بلتستان میں

قبل اس کے کہ اپنے تبلیغی سفر کی روئیداد قلم بند کی جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بلتستان کے بارے میں ضروری معلومات ہدیۂ قارئین کی جائیں تاکہ قارئین اس علاقہ کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔

بلتستان پاکستان کے انتہائی شمال میں واقع ہے اس کو شمالی پاکستان بھی کہتے ہیں یہ علاقہ جس قدر پاکستان کے لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اسی نسبت سے اہل پاکستان اس کے متعلق کم واقفیت رکھتے ہیں اس کی اہمیت کا اندازہ اس کے محل وقوع سے ہوتا ہے۔

محل وقوع یہ علاقہ دو پہاڑی سلسلوں کوہ قراقرم اور کوہ ہمالیہ کے عین درمیان واقع ہے قراقرم ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب کالا پتھر ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ کوہ ہندوکش کے انتہائی شمالی کنارہ کے پامیر کے قریب سے شروع ہوتا ہے اور بلتستان کے شمال سے ہوتا ہوا تین سو میل مشرق میں جاکر ختم ہوتا ہے اس کی چوڑائی ۳۰ میل سے ۶۰ میل تک ہے کوہ قراقرم میں تین سو چوٹیاں ہیں ان میں سے نصف یعنی ۱۵۰ چوٹیاں بلتستان میں ہیں۔ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو یہیں واقع ہے اس کی بلندی ۲۸۲۶۵ فٹ ہے دوسری بڑی چوٹی ماشہ بروم ہے۔

اس پہاڑی سلسلہ میں ۳۴ بڑے گلیشیئر ہیں جن میں سب سے بڑا گلیشیئر سیاچن ہے جس کی لمبائی ۷۵ کلومیٹر اور اونچائی ۲۰۲۳۰ فٹ ہے۔ اسی پر کچھ عرصہ سے بھارت اور پاکستان کے درمیان جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ اخبارات اس کا نام سیاہ چین لکھتے ہیں جو غلط ہے۔ سیاچین ایک کانٹے دار جھاڑی کا نام ہے جو برفانی علاقوں میں

ہوتی ہے اس علاقہ میں یہ جھاڑی کثرت سے ہوتی ہے اس لئے اس کے نام پر یہ گلیشیئر مشہور ہے اس جھاڑی میں سورج مکھی کی طرح ایک ہی پھول ہوتا ہے ان گلیشیروں سے دریائے سندھ کو معاون دریا فراہم ہوتے ہیں۔

دوسرا سلسلہ کوہ "ہمالیہ" کا ہے جو دیامر میں دریائے سندھ سے شروع ہوکر بلتستان کے جنوب سے گزرتا ہوا ۲۵۰۰ کلومیٹر دور برہم پتر تک جاتا ہے۔ اس کا تھوڑا سا حصہ پاکستان میں ہے جس میں مشہور ۲۶۶۶۰ فٹ بلند چوٹی نانگا پربت ہے ان قدرتی گلیشیروں کے علاوہ بلتستان میں مصنوعی (پالتو) گلیشیر بھی بے شمار ہیں ان گلیشیروں کو پالنے کے لئے نر اور مادہ گلیشیروں سے ٹکڑے لاکر جفت کئے جاتے ہیں اور ان سے آبپاشی کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ بلتستان کے اکثر علاقوں میں پانی کی قلت ہے کافی زرعی زمینیں پانی نہ ہونے کی وجہ سے بے آباد ہیں۔

بلتستان کے شمال میں افغانستان اور چین ہیں۔ افغانستان کے علاقہ واخان جس کو روس نے اپنے علاقہ میں ضم کر لیا ہے۔ اس کے ذریعہ اس کی سرحد گلگت کی طرف روس سے بھی جا ملتی ہے۔ مشرق میں لداخ ہے۔ جنوب میں مقبوضہ کشمیر کا ایک حصہ کرگل ہے۔ پہاڑی راستہ سے سری نگر۔ اسکردو سے صرف ۸۴ میل دور ہے

وادیاں: بلتستان میں چھ وادیاں ہیں پانچ وادیاں سکردو، روندو۔ شگر۔ خپلو۔ کھرمنگ کوہ قراقرم میں واقع ہیں۔ کھرمنگ وادی کا بالائی حصہ کوہ ہمالیہ میں واقع ہے۔ چھٹی وادی شنگھو شگر ہے جو کوہ ہمالیہ کے درمیان واقع ہے اس کے تین حصے شنگھو شگر فلٹوکس ہیں۔ اس حصہ کو گلتری بھی کہتے ہیں۔

ان وادیوں میں ۲۲۹ دیہات ہیں جن میں سے چھ دیہات پر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران بھارت نے قبضہ کر لیا تھا۔ تین وادی خپلو اور تین وادی کھرمنگ میں۔

دریا: اس علاقہ کا سب سے بڑا دریا دریائے سندھ ہے۔ یہ تبت کے جنوبی حصہ واقع کوہ کیلاس کی جھیل مانسرور سے نکلتا ہے۔ تربیلا ڈیم اسی دریا پر بنایا گیا ہے۔ یہ دریا لداخ سے ہوتا ہوا بلتستان میں واچرا کے مقام سے داخل ہوتا ہے اس میں وادی شنگھو شگر سے آنے والے

دریا مولدل کے مقام پہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ کیرس کے مقام پہ دریائے شیوق میں گرتا ہے۔ بوچونگ خپلو کے نزدیک سلقود اور ہوشے وادیوں سے آنے والا دریا دریائے شیوق میں شامل ہوتا ہے۔ سکردو کے نزدیک دریائے سندھ میں دریائے شگر شامل ہوتا ہے۔ آگے گلگت میں داخل ہوکر نانگا پربت کے قریب ہوکر مغرب کی طرف مڑکر شمالی علاقوں سے باہر نکل جاتا ہے۔

جھیلیں بلتستان میں قدرتی جھیلیں بہت ہیں۔ ان میں سے اکثر پہاڑوں پہ واقع ہیں۔ یہ جھیلیں قدرت کا عجوبہ ہیں۔ جو قابل دید ہیں۔ سدپارہ جھیل۔ یہ جھیل سکردو سے ۱۰ کلومیٹر دور ہے ایک کلومیٹر لمبی اور ۳/۴ کلومیٹر چوڑی ہے۔ درمیان میں ایک قدرتی جزیرہ بھی ہے جس میں لوگ کشتی کے ذریعے جاتے ہیں۔ یہ جھیل سدپارہ گاؤں کے قریب سکردو کے جنوب میں بلندی پہ واقع ہے۔ آمدورفت بآسانی ہوسکتی ہے۔ پک اپ اور ویگنیں چلتی ہیں اکثر سیاح یہاں جاتے ہیں۔ اس جھیل کے پانی سے پن بجلی سکردو شہر کو سپلائی کیجاتی ہے۔ ہم نے جھیل دیکھی۔ جزیرہ میں بھی پہنچے۔

کچورہ جھیل:۔ یہ جھیل بے حد خوبصورت ہے سرسبز اور شاداب علاقہ میں ہے اس کے کنارے شنگریلا ہوٹل ہے۔ جہاں مالدار سیاح ٹھہرتے ہیں۔ ہم لوگ وہاں ایک گھنٹہ تک سیر کرکے واپس آگئے۔

سکردو کے علاقہ میں ہی ایک جھیل کت پناہ کے نام سے ہے۔ شگر کے علاقہ میں جٹاربہ جھیل ہے۔ کھرمنگ کی وادی میں گانچھے سوبو جھیل ہے۔ دیوسائی میں کئی چھوٹی جھیلوں کے علاوہ تین بڑی جھیلیں ہیں جن میں دو کی لمبائی ایک کلومیٹر اور چوڑائی ۳/۴ کلومیٹر لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے۔ ان جھیلوں تک راستے مشکل اور پہاڑی ہیں۔

رقبہ بلتستان کا رقبہ ۱۰۱۱۸ مربع میل ہے جس میں سے ۱۵۰ مربع میل ہے کا رقبہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران بھارت کے قبضہ میں چلا گیا۔ مزروعہ رقبہ بیس ہزار ہیکٹر ہے

آبادی بلتستان کی آبادی ڈھائی لاکھ ہے

فرقے اس علاقہ میں اثنا عشری شیعہ کثرت سے ہیں دوسرے نمبر پہ

نوربخشی ہیں جن کے عقائد و اعمال اہل تشیع سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ یہ لوگ تبرا بازی نہیں کرتے اپنی نسبت امام سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے ہیں۔ یہ مشہور مبلغ اسلام ایران سے چودھویں صدی عیسوی میں کشمیر تشریف لائے اور بار بار آتے رہے۔ انھی کی کوششوں سے اہل بلتستان مسلمان ہوتے تھے۔ اہل بلتستان انھی کی کوششوں سے بدھ مت اور ہندو مت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بھانجے اور خلیفہ سید محمد کوہستانی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ آپ کا لقب نوربخش تھا۔ اسی نسبت سے ان کے نام لیوا نوربخشی کہلاتے ہیں۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ شافعی المسلک تھے

تیسرے نمبر پر آبادی اہلحدیثوں کی ہے۔ غواڑی میں مدرسہ سب سے پہلے مفتی محمد موسیٰ صاحب نے شروع کیا تھا کہ آپ میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔۔ شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے مدرسہ رحمانیہ سے فارغ ہوکر مولانا مفتی کریم بخش صاحب غواڑی آتے تھے۔ آپ حضرت مولانا شرف الدین دہلوی کے بھی شاگرد تھے مولانا عبدالمنان صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب بھی آپ کے ساتھی اور معاون تھے بلتستان کی جنگ آزادی جو ۱۹۴۸ء میں لڑی گئی اس جنگ میں مولانا عبدالمنان اور مولانا عبدالقادر دوسرے علماء کی مدد سے سامانِ رسد محاذ جنگ پر پہنچایا کرتے تھے۔ اس جنگ میں راشن اور باربرداری کی ذمہ داری علماء کی تھی۔ مزدور اور باربرداری کے جانور مولانا عبدالمنان اور مولانا عبدالقادر مہیا کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں ایک عجیب و غریب واقعہ بھی مشہور ہے۔ جو مولانا عبدالرحمٰن خلیق نے بیان کیا: "مولانا عبدالمنان راشن مختلف مواضعات سے تھوڑا تھوڑا اکٹھا کرکے جمع کرتے۔ پہاڑی راستوں پر چل کر یہ سامانِ خورد و نوش بڑی جانفشانی سے جمع کرنا پڑتا۔ سامان محاذ جنگ کو بھیجا جاتا تو سامان وہاں پورا نہ پہنچتا۔ راستہ میں کچھ خورد برد ہوجاتا ہے۔ مجاہدین کی ضروریات پوری نہ ہوتیں۔ مولانا بے حد پریشان تھے۔ لیکن راستہ کا چور پکڑا نہ جا سکا۔ جب پریشانی بہت بڑھ گئی تو آپ نے جمعہ کے خطبہ میں اس شخص کے لئے بد دعا کی اور باری تعالیٰ سے پرسوز لہجہ میں اس نقصان سے محفوظ رہنے کی درخواست کی۔ لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ ایک آدمی جو گاؤں کا نمبردار تھا مرگیا۔ یہ شخص مجاہدین کو جانے والی امداد میں خرد

بر دکا دتکب ہوتا تھا۔ ان اہلحدیث علماء کی کوششوں سے اہل تشیع کی کافی تعداد نے اس مسلک کو قبول کیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہاں کی دس فیصد آبادی اہلحدیث ہے۔ چوتھے نمبر پر احناف ہیں اور پانچویں نمبر پر اسماعیلی ہیں۔ جو گلگت سے یہاں آ آکر آباد ہوئے ہیں۔ تمام مکتب فکر کے لوگ موجود ہیں ان میں مذہبی رواداری بھی ہے۔ دوسرے علاقوں کی نسبت جھگڑ کم ہے۔

مقامی زبان

بالتی مقامی زبان ہے۔ یہ زبان چینی۔ لداخی۔ عربی۔ کشمیری۔ اور فارسی اور اردو کا ملغوبہ ہے۔ اب انگریزی کے بعض الفاظ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ بولنے کا انداز چین والوں جیسا ہے۔

آب وہوا

بلتستان کی آب وہوا سرد خشک ہے نومبر سے مارچ تک سردی کا موسم ہوتا ہے اس موسم میں اس سال ۴ سنٹی گریڈ منفی یعنی نقطہ انجماد سے بھی کم اور ۲۴ درجے منفی سنٹی گریڈ تک سردی ریکارڈ کی گئی ہے جون۔ جولائی۔ اور اگست کے مہینے گرمی کے ہیں اس سال ۴۴ سنٹی گریڈ تک گرمی ریکارڈ کی گئی ہے۔ بلتستان کی بستیاں سطح سمندر سے ۱۸۳۰ سے ۳۳۵۰ میٹر تک کی بلندیوں پر واقع ہیں۔ سردیوں کے موسم میں دو فٹ سے سات فٹ تک برف جمتی ہے۔ سال کے زیادہ حصہ میں عام طور پر آندھیاں چلتی رہتی ہیں جن کی رفتار ۲۰ سے ۵۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

زراعت

بلتستان پہاڑی علاقہ ہے باقاعدہ نہریں اور کنوئیں نہیں ہیں زیر زمین پانی بہت دور ہے۔ اس لئے ٹیوب ویل بھی نہیں یہاں کے باسیوں کی مالی حالت بھی ایسی نہیں کہ ان ذرائع آبپاشی سے کام لے سکیں زمینیں بھی اس قدر زیادہ قابل کاشت رقبہ پر مشتمل نہیں۔

کہ زیادہ مالی بوجھ والی سکیمیں بنائی جاسکیں۔ بعض جگہوں پہ دریا کے کنارے پر ایسا انتظام ممکن ہے کہ دریاؤں سے پانی حاصل کر کے غیر آباد زمینوں کو آباد کیا جاتے۔ پن بجلی کے لئے بے شمار مواقع موجود ہیں۔ بعض جگہ دریاؤں کے کناروں پر رہٹ چل سکتے ہیں۔ جیسا کہ پنجاب کے علاقوں میں جو ہڑوں کے کناروں پر رہٹ چلائے جاتے ہیں۔ حکومت کو اس علاقہ کے مسائل کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے برف پگھل کر پانی

ندی نالوں میں نیچے کو بہتا ہے۔ بعض جگہوں پہ جھیلوں کی شکل میں جمع رہتا ہے اور وہاں سے نیچے رس کر چشموں کی شکل میں ابلتا ہے۔ اس طرح جس جگہ پانی کا انتظام ہے۔ کوئی چشمہ یا ندی نالا ہے وہاں بستی آباد ہو گئی ہے۔ ساری کی ساری بستیاں ہموار زمین پر نہیں بلکہ پہاڑی ڈھلوانوں پر واقع ہیں۔ میدانی علاقے بہت کم ہیں۔ سکردو کی وادی سب سے زیادہ بڑی وادی ہے۔ وہ بھی آٹھ سے سولہ کلومیٹر تک چوڑی ہے۔ زمینیں ڈھلوان پہ ہیں اور تنگ ہیں اس طرح کھیت بھی تنگ ہیں۔ بعض اس قدر تنگ ہیں کہ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی نے راستہ میں اشارہ سے مولانا عبدالباقی صاحب سے دریافت کیا تھا کہ وہ سیڑھیاں ہیں۔ جواب میں انھوں نے فرمایا تھا کہ یہ بلتستان کے کھیت ہیں۔ سیڑھیاں نہیں ہیں۔ زمین میں ریت کی مقدار زیادہ اور مٹی کم ہے۔ اس لئے فصلیں زیادہ بارآور نہیں ہیں۔ کھاد کے بغیر کوئی فصل نہیں ہوتی۔

سرسوں۔ چاول۔ اور کپاس کے علاوہ تقریباً تمام فصلیں ہو جاتی ہیں۔ موسم کا خاصا فرق ہے۔ گندم جولائی کے آخر میں اب کاٹی جا رہی ہے۔ سبزیاں بھی تقریباً تمام ہوتی ہیں۔ تربوز اور خربوزہ کثرت سے ہوتا ہے۔ پھلوں میں شہتوت۔ آلوبخارا۔ آلوچہ۔ خوبانی۔ سیب۔ بادام۔ ناشپاتی۔ آڑو۔ اخروٹ۔ انگور۔ زرشک۔ انار۔ توت۔ اور خوبانی کثرت سے ہوتی ہے۔ ان دونوں پھلوں کے مفت کھانے پہ کوئی پابندی نہیں۔ خوبانی انتہائی لذیذ ہوتی ہے اس کی ایک سو کے قریب اقسام بتائی جاتی ہیں۔ پکی ہوئی خوبانی کو سکھا کر محفوظ کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہاں کے پھل اور سبزیاں لذت میں لاجواب ہیں۔ پھلوں کے درخت عام کھیتوں کے کناروں پر لگے ہوئے ہیں۔ میرے اندازہ کے مطابق خوبانی کا کم از کم ایک تہائی حصہ تلف ہو جاتا ہے۔

پھلوں کے معاملہ میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ یہاں کے باسیوں کو پھلوں کو محفوظ کرنے کی۔ پھلوں سے مربہ جات۔ چٹنیاں۔ جام وغیرہ تیار کرنے کی تربیت ہونی چاہیئے خوبانی اور سیب کی فصل کو ہی سنبھال لیا جائے تو ان لوگوں کی مالی حالت کو کافی سہارا مل سکتا ہے۔ محکمہ زراعت کی کارکردگی فی الحال مختلف قسم کے بیج مہیا کرنے اور بعض

تجربات کرنے تک محدود ہے۔ محکمہ مزید توجہ کرے اور ایسے منصوبے بنائے جس سے ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ ہو۔ اس علاقہ میں تجارتی زراعت کا خیال نہ ہونے کے برابر ہیں۔ باغات بھی اس طرح نہیں لگائے گئے کہ کوئی ایک فصل زیادہ مقدار میں ہو سکے۔ ملے جلے پھلوں کے درخت لگائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر کمرشل ذہن سے کام ہو تو غالباً بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔

گرم پانی کے چشمے :-

بلتستان میں گرم چشمے بھی بہت ہیں۔ وادی شگر میں بیل۔ چھوترون۔ چونگو۔ اور چھقپو کے قریب گرم پانی کے چشمے موجود ہیں۔ بیل چشمہ کا پانی بہت گرم ہے اور اس سے گندھک کی بو بھی آتی ہے۔ چھوترون کے چشمہ پر بلتستان کے تمام علاقوں سے لوگ مختلف امراض کے علاج کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وادی روندو میں طورمیک نالہ، تریکو، اسکولی۔ نالہ برالدو اور شنگوس کے قریب دریا کے کنارے۔ بولبو کے قریب۔ خپلو کے نالہ کوندوس میں چھوغو گرونگ اور خورکون میں بھی گرم چشمے ہیں۔

لیجئے اب تبلیغی سفر کی روئیداد ملاحظہ فرمائیے

سالہا سال سے حافظ محمد یحییٰ صاحب عزیز میر محمدی کی سرکردگی میں تبلیغ دین کا کام جاری ہے۔ یہ تبلیغ گھروں سے چند روز دور جا کر کی جاتی ہے تاکہ ہمارے دلوں میں اپنے محبوب مسکنوں اور کاروبار کی جو محبت رچ بس گئی ہے اس میں کچھ کمی ہو۔ دوسرے یہ بھی کہ جن علاقوں کے لوگ بلحاظ وسائل کمزور ہیں اور وہ لوگ جلسوں کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کے پاس پہنچ جاتے۔ ان کو دین کی حقیقی دعوت دی جاتے۔ گوجرانوالہ میں جامع مسجد حضرت محدث گوندلوی المعروف مسجد ناہلی والی قبرستان روڈ اس تحریک کا ذیلی مرکز ہے۔ اصلی مرکز بھائی پھیرو (قصور) کے قریب البدر (مقام) ہے۔ گوجرانوالہ کے اس ذیلی مرکز سے ایک جماعت راولپنڈی سے ہوکر۔ واہ کینٹ۔ ٹیکسلا۔ حویلیاں۔ ہزارہ۔ سرائے صالح۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ۔ گڑھی حبیب اللہ۔ کالاباغ۔ توحید آباد۔ ایوبیہ اور مظفر آباد گئی۔ اور ہر سال اسی طرح جماعتیں جاتی رہتی ہیں۔ کھانا اجتماعی ہوتا ہے۔ اس جماعت کے اخراجات کا تخمینہ ۸۵/- روپے فی کس ہوا ہے۔ آٹھ دن میں یہ سفر مکمل ہوا۔ ہر مقامات پر خطابات ہوئے۔ انفرادی ملاقاتیں کی گئیں مسلمانوں کو دین کی دعوت دی گئی۔ ساتھیوں کی تربیت اور تعلیم کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔ اس جماعت کے امیر صوفی نذیر احمد شاکر تھے۔

دوسرے وفد میں مولانا فاروق اصغر صاحب صارم ۔ خواجہ محمد بشیر بٹ صاحب ، جناب محمد اشرف کھوکھر اور راقم الحروف شامل تھے ۔ اس وفد کی سربراہی کی تہمت مجھ پر لگی ۔ ۲۱ جولائی کو گوجرانوالہ سے ۱۰½ بجے راولپنڈی پہنچے ۔ اس وقت کسی مسجد میں جانا مناسب نہ سمجھا ۔ تین چار ہوٹل چیک کیے ۔ لیکن حجاج کرام کی روانگی کی وجہ سے کسی جگہ کمرہ نہ مل سکا ۔ اسی تگ و دو میں رات کے ۱۲ بج گئے لاچار اپنے برخوردار میجر عبدالحفیظ ناگرہ کی کوٹھی (ہمایوں روڈ) پہونچے ۔ وہ ابھی سوئے ہی تھے کہ ہم بن بلائے مہمان آوارد ہوئے ۔ انھوں نے دروازہ کھولا ۔ تعجب بھی کیا اور خوش بھی ہوئے ۔ ہمیں تو ڈرائنگ روم میں بٹھایا ۔ اہل خانہ کو بیدار کر کے اہلیہ اور بچوں کو دوسری منزل پر پہنچایا ۔ میں بچوں کو ملنے کے لئے اندر گیا تو دونوں کمرے خالی ہو گئے تھے ۔ ہم چاروں حضرات دونوں کمروں میں سو گئے کھانا کے لئے انھوں نے بہت اصرار کیا ۔ لیکن کھانا ہم نے جہلم میں کھا لیا تھا اس لئے صرف مشروب پہ رضامندی ہو گئی ۔

صبح ہوائی جہاز کی نشستوں کا کام میجر صاحب کے سپرد کر کے ہم جامع روڈ والی مسجد کے پروگرام کے لئے چلے گئے ۔ ظہر کے بعد تقریر ہوئی مولانا فاروق صارم نے صاحبے دعوت دین پیش کی ۔ مزید ایک دو مقامات پر گئے ۔ عصر کے وقت کوٹھی واپس پہنچے تو میجر صاحب گاڑی سمیت ہمارے منتظر تھے ۔ پہلی خبر تو یہ بتائی کہ ہوائی جہاز کی نشستوں کا انتظام نہیں ہو سکا ۔ تعجب ہوا کہ جی ۔ ایچ ۔ کیو والوں کا بھی پی آئی اے پر کوئی اثر نہیں ۔ بہرحال موٹر کے ذریعہ گلگت جانے کے لئے تیار ہو گئے ۔ ناٹکو سے ۴ نشستیں بک کرا کر میجر صاحب نے فیصل مسجد اور شکر پڑیوں کی سیر کرائی ۔ ۲۳ جولائی ۹ بجے صبح پیر ودھائی کے اڈہ سے بس کے ذریعے گلگت روانہ ہوئے ۔ رات کے ۲½ بجے گلگت پہنچ گئے ۔ رات کے وقت کسی ہوٹل میں جگہ نہ ملی اس لئے بازار میں ہی ایک دکان کے آگے سامان رکھ کر باقی دوست تو سو گئے لیکن میں پہرہ دیتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فجر کے بعد ماشاء اللہ برودم ہوٹل میں ایک کمرہ لے کر سامان رکھا اور وہاں سے اگلے روز سکردو جانے کے لئے چار سیٹیں ویگن کی بک کرا لیں ۔ اڈہ کا نام اتفاق ویگن سروس ہے ۔ اسی روز سات بجے ایک ویگن سے ہنزہ کے لئے روانہ ہوئے ۔ تین گھنٹہ کے سفر کے بعد علی آباد کی بستی میں اترے یہ علاقہ بڑا سرسبز اور شاداب ہے لیکن خالص شیعہ آبادی ہے ۔ یہاں معلوم ہوا کہ نگر کا علاقہ سنیوں کا ہے ۔ ہم یہاں سے ہی واپس ہو گئے گلگت واپس آئے ۔ ہوائی اڈہ کے قریب واقع چوک میں مولوی حکیم عبداللطیف صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ موصوف یہاں حکمت کرتے ہیں اور ایک قریبی مسجد کے خطیب و امام بھی ہیں ۔ انکی مسجد میں شام کی نماز کے بعد مولانا فاروق صاحب نے إِنَّ الدِّينَ عِندَ

اللہ الاسلام ۔ کے موضوع پر تقریر کی ۔ ۱/۲ ۶ بجے ویگن سے سکردو روانہ ہوئے ۔ یہ سفر بڑا دلفریب اور عجیب وغریب مناظر والا تھا ۔

ہم ۲۵ جولائی کو ۱/۲ ۱ بجے دوپہر مرکز اسلامی سٹیلائٹ ٹاؤن سکردو پہنچ گئے ۔ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر مولانا محمد علی جوہر خطیب مرکز ایک دیوبندی عالم دین جو ایک روز قبل فوت ہوئے تھے کے متعلق تعزیتی تقریر کر رہے تھے ۔ بعد میں انکی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا کی گئی جس میں ہم بھی شریک ہوئے ۔ نماز جمعہ کی بجائے ہم نے نماز ظہر ادا کی ۔ اکثر حاضرین ہم نوواردوں کو بار بار دیکھ رہے تھے ۔ نماز سے فارغ ہوکر علیک سلیک شروع ہوئی ۔ میں نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا ۔ اب ملاقات ایسے ہو رہی تھی کہ جیسے برسوں پرانی دوستی ہو ۔ ہمارا سامان قریب ہی مہمان خانہ میں پہنچا دیا گیا ۔ مہمان خانہ تین بڑے کمروں پر مشتمل ہے ۔ قالین وغیرہ بچھے ہوئے ہیں ۔ فلش وغیرہ کا بھی انتظام ہے ۔ غواڑی سے ناظم تعلیم مولانا عبدالوہاب صاحب اور جمعیۃ اہلحدیث بلتستان کے جنرل سیکرٹری مولانا عبدالرحمان خلیق اور مولانا ثناء اللہ صاحب سکردو آئے ہوئے تھے ان سے نماز کے بعد تعارف ہو چکا تھا ۔ نماز عصر کے بعد انہوں نے غواڑی جانے کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا کھانا اور چائے کے دور کے بعد جیپ میں سوار ہوکر غواڑی کے لئے روانہ ہوئے ۔ میں شدید کمر درد میں مبتلا تھا ۔ بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا ۔ مستزاد یہ کہ حرکت قلب بے قاعدہ ہوگئی ۔ غواڑی کے دارالعلوم کے اساتذہ میں سے تین حضرات ہمارے سفر کے ساتھی تھے ۔ مولانا عبدالوہاب صاحب جو دارالعلوم اوڈانوالہ سے فارغ ہیں بڑی باغ وبہار شخصیت ہیں ۔ غواڑی تک جیپ میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہا ۔ موصوف بڑی پیاری اور دل لبھانے والی گفتگو کرتے ہیں ۔ چہکنا ۔ خوش رہنا اور خوش کر دینا انکی طبیعت کا خاصہ ہے ۔ اس ضمن میں ہی کئی مسائل پر شگفتہ بات چیت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھتے ہیں ۔ غواڑی تک ۸۰ کلومیٹر کا سفر تین گھنٹہ میں طے ہوا ۔ عشاء سے کچھ پہلے دارالعلوم میں داخل ہوئے ۔ مولانا عبدالباقی کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مکان یہاں سے خاصا دور ہے ۔

میں تو کمرہ میں داخل ہوتے ہی لیٹ گیا کہ تکلیف کی شدت سے بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا

تھا۔ آدھ گھنٹہ بھی نہ گذرا ہو گا کہ دروازہ سے ایک بلند آواز سنائی دی۔ حضرات۔۔۔ السلام علیکم۔ مولانا عبدالباقی ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑے تھے۔ خوشی ان کے چہروں سے نمایاں تھی۔ مصافحہ اور معانقہ ہوا۔ سب دوستوں سے وہ واقف تھے۔ گوجرانوالہ کی جماعت کے احباب کا حال دریافت کرتے رہے۔ اپنے ہاں کے حالات سے بھی آگاہ کرتے رہے حقیقت ہے کہ ان سے مل کر میری تھکاوٹ دور ہو گئی۔ کھانا سے فارغ ہو کر جو سوتے تو صبح مؤذن کی اذان کی آواز سے ہی بیدار ہوئے۔ فجر کی نماز ادا کی۔ ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے دوران مولانا عبدالباقی اور مولانا عبدالرحمن خلیق سے گفتگو بھی جاری رہی بعد میں مولانا عبدالوہاب صاحب بھی مسکراتے ہوئے آ گئے۔ مختلف ملکی اور دینی مسائل پہ گفتگو ہوتی رہی۔۔۔ مولانا عبدالباقی دوپہر کے کھانا کی دعوت دے کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہم دارالعلوم کو دیکھنے کے لئے اپنے کمرہ سے نکلے۔ کلاسوں میں تعلیم جاری تھی۔ تمام کمرے ایک نظر دیکھے۔ عمارت دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ مدرستہ البنات کی تعمیر جاری ہے۔ چھت کے لینٹر کے افتتاح کے لئے ڈاکٹر مصلح الدین سابق مشیر مذہبی امور کل تشریف لا رہے ہیں۔ بچیوں کے مدرسہ کی تعمیر ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں۔ دارالعلوم میں ایک بہت بڑی لائبریری کی تعمیر بھی جاری ہے کافی کتب بے ترتیبی سے پڑی ہوئی ہیں تکمیل مکتبہ کے بعد بہتر انداز سے رکھی جائیں گی۔

بلتستان میں جمعیۃ اہلحدیث قائم ہے۔ اس کے صدر مولانا عبدالرشید صدیقی ہیں اور جنرل سیکریٹری مولانا عبدالرحمن خلیق ہیں۔ آپ عشر و زکوٰۃ کمیٹی بلتستان کے صدر بھی ہیں۔ غواڑی کا مدرسہ انجمن اسلامیہ غواڑی کے زیر انتظام ہے۔ جو جمعیت کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔ جس کے صدر مولانا عبدالرحمن خلیق۔ جنرل سیکریٹری مولانا محمد حسن اثری ہیں۔ آپ شعبہ تبلیغ کے بھی انچارج ہیں۔ مولانا عبدالرحمن حنیف کیرس والے دارالعلوم کے اہم رکن ہیں۔ دارالعلوم کی باغ و بہار شخصیت مولانا عبدالوہاب حنیف مدیر تعلیم اور تمام شعبہ جات کے انچارج ہیں۔

غواڑی کے اس مدرسہ کی بنیاد ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں مولانا مفتی محمد موسیٰ صاحب نے رکھی تھی۔ اس وقت حالات بہت مخدوش تھے۔ ماحول ایسا تھا کہ حالات سن

کرنے کے صبر و حوصلہ پر حیرانی ہوتی ہے مفتی صاحب مرحوم حضرت شیخ کل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے تلمیذ الرشید مولنا غنی کریم بخش صاحب نے مدرسہ کا کام بڑی خوبی اور جانفشانی سے چلایا مالی حالت بے حد ابتر تھی۔ شیعہ بھائیوں اور نور بخشیوں کا اس قدر زور تھا کہ سڑک کے راستہ سے سکردو تک جانا بھی ممکن نہ تھا۔ آپ پہاڑوں کے اوپر سے ہو کر وہاں پہنچا کرتے تھے۔ کئی دفعہ مارپٹائی بھی ہوئی لیکن آپ استقامت کا ایک پہاڑ تھے۔ اس اخلاص۔ شجاعت اور علم و عمل کے پیکر نے ۱۹۵۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد حاجی خلیل الرحمٰن مدرسہ کے مہتمم رہے۔ آپ کی وفات ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ اب نظامت مولنا عبدالرحمٰن خلیق کے ہاتھ میں ہے جو بڑی خوبی سے اس فرض کو انجام دے رہے ہیں۔ آپ ۱۹۶۶ء میں مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوتے۔ ۱۹۷۱ء میں یہاں کام شروع کیا۔ دارالعلوم کی اس نئی عمارت کی تعمیر ۱۹۷۴ء میں شروع ہوئی۔ اس وقت دارالعلوم ۵ کنال رقبہ پر قائم ہے ۳۲ کمرے ہیں۔ لائبریری اور سردیوں کے لیے ایک تہہ خانہ اس کے علاوہ ہے۔ ایک خوبصورت سادہ مسجد ہے۔ ایک مہمان خانہ ہے۔ طلباء کے لئے مطبخ ہے۔ دارالعلوم میں ۲۸ معلم اور ۱۲ معلمات ہیں۔ بچیوں کے لئے الگ کمرے ہیں۔ مالی سمیت دارالعلوم کے ۲۵ ملازم اس کے علاوہ ہیں۔ گزشتہ سال ۴۰۳ طلباء تھے۔ اس سال فی الحال ۳۵۰ طلباء ہیں۔ چونکہ فصل کی کٹائی جاری ہے۔ طلباء کم ہیں کٹائی کے بعد مزید آئیں گے۔ طالبات کے شعبہ میں ۱۷۵ بچیاں داخل ہیں۔ دارالعلوم میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مڈل تک کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ پروگرام یہ ہے کہ عوا اڑی سے فارغ ہونے والوں کو ایک سال میں میٹرک کرایا جاتے۔

دارالعلوم کا سالانہ خرچ ۲۰ لاکھ ہے دس لاکھ روپے عام طور پر سعودی عرب سے اور بقیہ دس لاکھ پاکستان سے جمع ہوتا ہے۔ مقامی طور پر دارالعلوم کی کوئی آمدنی نہیں میرے خیال میں یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آمدنی کا مقامی ذریعہ ہونا چاہیئے۔ سعودی عرب کی طرف سے امداد میں رکاوٹ ہونا ممکن ہے جس کے آثار بھی ہیں۔ خود پاکستان سے بھی بعض حالات میں امداد کی کمی کا اندیشہ ہے۔ مدرسہ کے منتظمین کو اس طرف خاص توجہ دینی

چاہیئے۔

دارالعلوم کا مکمل کورس ۱۲ سال کا ہے۔ وفاق المدارس کے امتحان کے لئے طلباء کو تیار کیا جاتا ہے۔ پچھلے سال ۱۰ طلباء وفاق کے امتحان میں شریک ہوئے تھے امسال ۱۴ لڑکے تیاری کر رہے ہیں۔ دارالعلوم میں دارالافتاء والقضاۃ کا شعبہ بھی ہے۔ شعبہ تبلیغ کے ناظم مولانا محمد حسن اثری ہیں۔ شعبہ کے پاس جیپ بھی ہے مولانا ہر جمعرات کو تبلیغ کے لئے جاتے ہیں اور ہفتہ کے روز واپس آتے ہیں۔ آپ کے ساتھ دو مبلغ اور بھی ہوتے ہیں۔ مختلف دیہات میں جاتے ہیں اور جمعہ بھی پڑھاتے ہیں۔ انفرادی ملاقاتیں بھی کرتے ہیں اور تقاریر بھی۔ دارالعلوم میں ایک کمی محسوس ہوئی اور وہ یہ ہے شعبہ حفظ کا کوئی انتظام نہیں۔ یہ بہت بڑی خامی ہے۔ بتایا گیا

ہے کہ اس سال قاری مل گیا۔ تو یہ شعبہ جاری ہو جائے گا۔ نیز لڑکیوں کے لئے ہوسٹل بھی اس سال مکمل ہو جائے گا۔ مدرسۃ البنات میں فی الحال مقامی طالبات ہیں۔ بیرونجات و دوسرے دیہات سے آنے والی بچیاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔

ایک بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ حال ہی میں دارالعلوم کی مستقل آمدنی کے لیئے ۱۰۰ کنال زرعی زمین خریدی گئی ہیں لے وہ زمین دیکھی ہے اس کے اردگرد پتھروں کی چار دیواری بن چکی ہے۔ شجرکاری بھی ہو رہی ہے۔ زمین کی آبپاشی کے لئے تین میل دور دریائے شیوق سے پانی کھال کے ذریعے لایا گیا ہے۔ خدا کرے اس سے اس قدر آمدنی ہو کہ مدرسہ خود کفیل ہو جائے ویسے بظاہر یہ بات محال ہی نظر آتی ہے لیکن ماذالک علی اللہ بعزیز۔

ہم مہمان خانہ میں آرام کر رہے تھے کہ مولانا عبدالباقی صاحب جو دارالعلوم کے سفیر اور مدرس ہیں اوڈ الوالہ کے مدرسہ کے فارغ ہیں۔ میں انکو دارالعلوم کا "مختارِ کل" کہتا ہوں۔ بلند آواز سے السلام علیکم کہتے ہوئے آ دھمکے اور آتے ہی کھانے کے لئے مکان پر جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ کا مکان عواڑی کے بالکل نیچے "سیاچن، گلیشیئر" کو جانے والی سڑک اور دریائے سندھ کے بالکل کنارہ پر ہے۔ مکان کے متصل ہی بن ہے

جس میں خوبانی پکی ہوئی تھی اخروٹ، سیب اور انگور کے درخت بھی ہیں۔ مولانا درویش ہیں۔ سلف صالحین کی نشانی اور توکل و اخلاص میں ان بزرگوں کا ایک نمونہ ہیں۔ مکان بالکل سادہ اور مختصر۔ ہمیں اوپر کی منزل میں ایک بیٹھک (کمرہ) میں بٹھایا گیا جس میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ بقایا جگہ پر زیادہ سے زیادہ پندرہ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ ہمارے ساتھ مدرسہ کے ۱۶ استاد بھی مدعو تھے۔ بہترین کھانا۔ لذیذ خوبانی۔ اور چائے کے دور کے بعد ایک بجے واپس مدرسہ آئے۔ نماز ظہر کے بعد مولانا فاروق صارم صاحب نے مسلمان کا مقصد حیات، غرض تعلیم اور طلباء کا فرض کے عنوان سے بہترین پر جوش انداز میں خطاب کیا۔ اس کے بعد ہم عوازی کے بالائی حصہ کو دیکھنے کے لئے نکلے۔ کافی بلندی پر جا کر گاؤں کا نظارہ کیا۔ مختلف باغات دیکھے۔ حیران کن قدرتی مرغزار اور قبریں دیکھیں۔ یہاں کافی بلندی پر چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں جن کے اندر برفانی ہوا تیزی سے پھرتی ہے اور کسی چیز کو خراب نہیں ہونے دیتی یہ ٹھنڈی کوٹھڑیاں یہاں کے خاص کاریگر بناتے ہیں اور اس کی قیمت ایک ہزار روپے فی کوٹھڑی ہے۔ ایک کوٹھڑی کی چابی منگوا کر مولانا عبد الباقی صاحب نے ہمیں اس میں اندر داخل ہونے کو کہا اس میں خورد و نوش کا سامان رکھا ہوا تھا دودھ کا ایک برتن بھی تھا۔ ہم ایک کمرے میں دو تین منٹ ٹھہرے۔ مجھے سردی لگنی شروع ہو گئی اور باہر نکل آیا یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے عجیب و غریب نظارے ہیں۔ بیان کرنا مشکل ہے ۳ بجے کے قریب جیپ میں سوار ہو کر سکردو کے لئے روانہ ہوئے مولانا عبد الباقی صاحب بکمال شفقت۔ مولانا ثناء اللہ سالک انچارج شعبہ افتاء اور مولانا ابراہیم خلیل بھی ساتھ تھے۔ ہم سر شام سکردو پہنچ گئے۔ عوازی سے سکردو کے راستہ میں مولانا عبد الباقی اپنے آبائی گاؤں بھی لے گئے وہاں نماز عصر ادا کی اور پر تکلف چائے پی۔ مولانا نے ہم چاروں ساتھیوں کو ایک ایک اونی چادر کا تحفہ دیا۔ اپنے والد صاحب جو کہ ابھی تک نور بخشی ہیں سے ملایا۔ اپنے مکان میں رکھا ہوا زد جو کہ پاک اور گائے کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے بھی دکھایا۔ خشک خوبانی اور شہتوتوں کا تحفہ بھی دیا۔

۲۷ جولائی کو نماز فجر کے بعد مولانا فاروق صارم صاحب نے درس قرآن دیا مدرسہ میں ناشتہ کر کے جیپ میں کچورہ جھیل اور شنگریلا ریسٹوران دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے

آدھ گھنٹہ کے سفر کے بعد جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ جگہ بڑی خوبصورت۔ دلفریب اور جاذب نظر ہے۔ چیل اور پھلدار درخت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ شفاف پانی کی جھیل ہے۔ اس کے ہرطرف خوبصورت کیبن بنے ہوئے ہیں۔ جن کو خوب سجایا ہوا ہے۔ اور ان میں قد آدم شیشے لگے ہوئے ہیں۔ جن سے باہر کے مناظر بآسانی نظر آتے ہیں اس ہوٹل کے کرائے بہت زیادہ ہیں۔ متوسط طبقہ کی بساط سے باہر ایک روز کا کم از کم کرایہ ساڑھے تین سو روپے ہے خورد و نوش کے نرخ بھی "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" کے اصول پر چارج کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہمارے جیسے شوقین بس روشوں پر چل پھر کر اور جھیل کے آس پاس تصویریں کھنچوا کر واپس آجاتے ہیں۔ ریستوران کے نصف سے زیادہ کمرے خالی تھے۔ ویسے وہاں کا انتظام بڑا اپ ٹوڈیٹ۔ ماحول بڑا پرسکون اور جگہ بڑی صاف ستھری ہے۔ کاش چارجز بھی عام لوگوں کی رسائی کے مطابق ہوتے یہاں گھنٹہ بھر سیر کر کے واپس مرکز میں چلے گئے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سدپارہ جھیل دیکھنے کے لئے روانہ ہوتے یہ جھیل سکردو سے ۱۰ کلومیٹر دور بلندی پر واقع ہے اس کے قریب ایک گاؤں سدپارہ کے نام سے ہے اسی نام سے یہ جھیل مشہور ہے سکردو شہر کو پانی یہاں سے مہیا ہوتا ہے۔ اس کے پانی سے بن بجلی بھی بنتی ہے۔ جس سے سکردو روشن ہوتا ہے یہاں کے ہائیڈل پراجیکٹ کے قریب ہی ایک بہت بڑا چشمہ اور آبشار ہے جس کا پانی دودھ کی طرح سفید ہے۔ جیپ کو سڑک کے کنارے چھوڑ کر جھیل دیکھنے کے لئے نیچے اترے۔ جھیل کے اردگرد بیٹھنے کے لئے نشستیں بنی ہوئی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لان بھی ہیں۔ ایک لان میں ہم غیر ملکی اپنی کشتی سمیت ڈیرہ ڈالے پڑے تھے۔ جھیل کے وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی ہے جھیل کے کنارے ایک کشتی بھی ہے۔ ہم کشتی میں سوار ہو کر جزیرہ میں پہنچے۔ آدھ گھنٹہ قدرت کاملہ کے نظارے کر کے واپس ہوئے۔ مرکز میں واپس آئے۔ ہوائی جہاز کی ٹکٹوں کا معاملہ مولانا عبدالباقی صاحب کے بھائی مولانا عبدالرؤف صاحب جو مرکز کے ذمہ دار ہیں کے سپرد کیا۔ مولانا کا یہاں پی آئی اے کے دفتر میں خاصا اثر و رسوخ ہے۔ آپ سکردو کی میونسپلٹی کے وائس چیئرمین بھی ہیں۔ آپ کا اپنا کاروبار ہے۔

منگل وار کے دن ۷ بجے صبح کی پرواز کے ٹکٹ مل گئے۔

سکردو میں اہلحدیث مسلک کی تین مساجد کافی پرانی ہیں۔ مرکز اسلامی کے نام سے سکردو میں اس عمارت کی تعمیر کا افتتاح شیخ عبدالعزیز صاحب عتیق ڈائریکٹر مکتب الدعوۃ الاسلامیہ سعودی عرب لاہور آفس نے ۱۹۸۰ء میں کیا تھا۔

یہاں ۱۹۸۲ء سے تعلیم جاری ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے دونوں مدرسے چل رہے ہیں۔ مدرستہ البنات کے تین شعبے کام کر رہے ہیں لڑکوں کے مدرسے میں علوم عصری کا الگ شعبہ ہے۔ اس کے علاوہ بیرون جات سے سکردو میں آکر ہائی سکول یا کالج میں پڑھنے والے لڑکوں کے لئے ہوسٹل قائم ہے جس میں فی الحال ۵۰ اقامتی طلباء ہیں۔ اس طرح ٹھہرنے والے طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ نمازوں میں پوری طرح حاضر ہوں۔ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کریں۔ شام کے بعد باہر نکلنے پہ پابندی ہے۔ ۲/۱ ۳ بجے سے شام تک پڑھائی ہوتی ہے ۱۵۰ طلباء بعد دوپہر آتے ہیں بچیوں کو پڑھانے کے لئے تین معلمات ہیں۔ مدرسہ کی اپنی فلائنگ کوچ ہے جو بچوں کو لاتی اور لے جاتی ہے۔ ہوسٹل کی عمارت میں توسیع جاری ہے۔ مسجد کا مینار اپنی تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ مرکز میں ایک بہت بڑی لائبریری ہے۔ جس میں ہزاروں کتب ہیں۔

مرکز اسلامی ۲/۱ ۳۹ کنال رقبہ پر پھیلا ہوا ہے پھل دار درخت اور بعض پلاٹوں میں سبزیاں بھی کاشت کی ہوئی ہیں۔ ۲۰ کنال اراضی کا قبضہ مرکز سے کچھ دور صدر پاکستان کے ایک خاص حکم سے ابھی ملا ہے۔ مرکز میں ایک فری ڈسپنسری بھی ہے۔

مرکز کے کئی منصوبے محض مالی کمزوری کی وجہ سے معرض التوا میں پڑے ہوتے ہیں میں تمام مسلمانوں سے عموماً اور اہلحدیث بھائیوں سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ ان اداروں کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں۔ یہ حضرات شمالی پاکستان کے اس حساس خطہ میں کام کر رہے ہیں جس سے ہمارے چار بڑے ممالک کی سرحدیں لگتی ہیں۔ جہاں کی آبادی کی اکثریت اثناء عشری اہل تشیع اور نوربخشیوں پر مشتمل ہے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ان کا رویہ کیا ہوگا۔ یہ چند سر پھرے وہاں جو قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند کر رہے ہیں تو ان کے سامنے کیسی مشکلات ہونگی۔ اے میرے بھائیو! انکی دامے۔ درمے۔ سخنے مدد کرو اور کرتے رہو

ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ وہاں جاکر ان حضرات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے

تاکہ وہاں کے باسیوں کو وہ بتا سکیں - اور یہ تاثر بھی قائم ہو کہ ان کے بھی کوئی خبر گیر پاکستان میں موجود ہیں - مری - کوہ مری - سوات و کاغان جانے والے حضرات اگر یہاں آئیں تو ان علاقوں کو بھول جائیں گے -

سڑک کا سفر اگرچہ لمبا ہے لیکن بے حد دلفریب اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا مرقع ہے اب تو اسلام آباد سے بوئنگ سروس کے اجراء کے بعد سفر کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا ہے - ہفتہ میں سوموار - بدھ - اور جمعہ کے روز اسلام آباد سے تین پروازیں شروع ہو چکی ہیں - فوکر پروازیں ہر روز دو یا تین جاری ہیں ۔ سکردو میں کرائے بھی کم ہیں - خورد و نوش کے نرخ بھی زیادہ نہیں - جو حضرات مرکز میں ٹھہرتے ہیں وہاں کوئی چارجز نہیں لئے جاتے - احباب اپنی مرضی سے تعاون کریں - تو نیکی میں تعاون ہے -

۲۸ جولائی کو ہمارا ارادہ تھا کہ شگر جائیں گے - لیکن ایک دوست کی بیماری کی وجہ سے سکردو میں ہی رکے رہے - آج نماز فجر کے بعد راقم الحروف نے سورہ والعصر کے متعلق کچھ گزارشات پیش کیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹ جولائی کو مرکز کی جیپ پر ہوائی اڈہ کی طرف روانہ ہوئے ہمارے وہاں پہنچنے سے قبل ہی مولنا عبدالباقی سیبوں کی ایک پیٹی لے کر وہاں موجود تھے - یہ بھی عجیب مخلص دوست ہیں - جہاز دو گھنٹہ کے بعد روانہ ہوا اور یہ حضرت دو گھنٹے باہر ہماری روانگی کے انتظار میں کھڑے رہے کیونکہ پی - آئی اے والوں نے عام لوگوں کے لئے باہر کسی نشستگاہ کا انتظام نہیں کیا ہم اندر سمجھ رہے تھے کہ وہ اب تک کیسے ادھر کھڑے ہوں گے - لیکن انتظار گاہ سے سے ہم جب جہاز کی طرف روانہ ہوئے تو مولنا عبدالباقی صاحب کا سرخ رومال حرکت کرتا ہوا نظر آیا - جس پر بڑی حیرانی بھی ہوئی اور خوشی بھی - ہم نے ہاتھوں کے اشارہ سے سلام اور خیر باد کہا - ۴۴ سواریوں کا فوکر طیارہ ہم کو لے کر دریائے سندھ کے اوپر پرواز کرتا ہوا - برف پوش پہاڑوں کا نظارہ کراتے ہوئے اور بادلوں کو چیرتا ہوا - ۱½ گھنٹے میں ½۱۰ بجے اسلام آباد پہنچ گیا -

وہاں سے بذریعہ ٹیکسی ویگن اڈہ پر پہنچے - تقریباً ۱۱ بجے ویگن پر سوار ہوئے اور بخیر و خوبی ساڑھے تین بجے گوجرانوالہ پہنچ گئے - عصر کی نماز جامع مسجد حضرت محدث گوندلوی میں ادا کی اس طرح یہ بابرکت سفر مکمل ہوا -

---